

حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی

مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق اور ڈاکٹر مولانا شیر علی شاہ کا دورہ ایران

امام مسلم کے دیس خراسان (ایران) میں چند روز

(قسط نمبر ۸)

شیشین سے پریس اور میڈیا کے نمائندوں کا انٹرویو: دوران جلسہ پریس اور میڈیا کے نمائندوں نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا شیر علی شاہ صاحب کے انٹرویو کئے۔ ان کے سوالات زیادہ تر اس جلسے سے متعلق تاثرات، جامعہ ہذا کے بانی مولانا سعید فاضلی مرحوم کی خدمات اور اس جلسے کے نتائج و اثرات پر مبنی تھے۔

مولانا عبد الحمید مرادھی کی بندش اور واپسی: جلسے ہی میں مجھے ایک صاحب نے موبائل فون تھماتے ہوئے بتایا کہ مولانا عبد الحمید مرادھی خاشی آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف جو گزشتہ برس پاکستان آنے کے موقع پر دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ ایران میں دینی کتابوں کے ایک بڑے اشاعتی ادارے ”انتشارات فاروق اعظم“ کے سربراہ اور دارالعلوم زاہدان کے مدرس ہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ قبل کتب خانہ دارالعلوم و اساتذہ کرام کے لئے اپنے مکتبہ کے گرانقدر کثیر درسی و غیر درسی کتب بھی ارسال فرمائی تھیں۔ میں نے ان سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس جلسے میں خصوصی طور پر شیشین کی ملاقات اور شیخ الاسلام حضرت مولانا عبد الحمید مدظلہ مہتمم دارالعلوم زاہدان کا خصوصی پیغام دعوت پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ میرے ہمراہ وفد میں دارالعلوم زاہدان سے دیگر اساتذہ بھی آئے ہیں۔ راستے میں پولیس اور ایجنسیوں نے ہمیں روک دیا۔ تحقیق و تفتیش کے بعد وفد کے دیگر اراکین کو جلسے میں شرکت کیلئے چھوڑ دیا گیا۔ جبکہ مجھے بغیر کسی وجہ کے واپس زاہدان بھیج دیا۔ معلوم نہیں کہ انہیں کس غلط فہمی کی بنیاد پر روکا گیا، بہر حال انہوں نے بتایا کہ مولانا عبد الحمید کی خواہش ہے کہ اس جلسے کے بعد دونوں اکابر زاہدان آئیں۔ میں نے ان کی دعوت پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ یقیناً یہ ہمارے لئے بڑی سعادت ہوتی لیکن پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں آج رات کی فلائٹ سے واپس پاکستان جانا ہے۔ یہاں شہر خوف و غیرہ کے علماء کا بھی یہی اصرار ہے کہ ہم چند دن کیلئے رک جائیں۔ لیکن دیگر مصروفیات اور دورہ حدیث کے ایک ہزار طلباء کے اسباق کے نانغے کی وجہ سے ہمیں واپس پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہاں کی مصروفیات ملتے نہ آتیں تو ضرور آپ حضرات کی دعوت

پر لیک کہتے۔ دوبارہ کسی موقع پر اگر زندگی نے وفا کی تو ان شاء اللہ اس کا جبیرہ ادا کرینگے۔ اس سفر میں ہمیں زاہدان جانے کا اتفاق تو نہ ہو سکا البتہ گزشتہ سفر ایران کے دوران دودن کیلئے مولانا عبدالمجید کی دعوت پر حضرت مولانا ساجد الحق صاحب مدظلہ کی زیر قیادت ایک وفد جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان اور احقر بھی شامل تھا، جانا ہوا تھا۔

سرکردہ علماء کرام و اہم شخصیات سے ملاقاتیں: جلد۱ الاحناف کے اس جلسہ دستار بندی کی مختلف

نشستوں میں ایران کے جن مقتدر علماء کرام مشائخ عظام اور اہم شخصیات سے ہماری ملاقاتیں اور نشستیں ہوئیں۔ ان کی

تعداد تو درجنوں ہیں تاہم جن کے نام اور مسؤلیت یاد ہیں ان میں چند ایک یہ ہیں: حضرت مولانا غلام احمد علیائی۔ یہ

بزرگ و معمر عالم دین مدرسہ قاسم العلوم ملتان کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔ اس وقت موصوف کے زیر اہتمام مدرسہ

علمیہ انوار العلوم خیر آباد جہاں پانچ سو طلباء و طالبات پڑھ رہے ہیں چل رہا ہے۔ مولانا حبیب الرحمن مطہری، ان کے

والد مولانا شمس الدین دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں سے تھے۔ یہ خود جلد۱ العلوم الاسلامیہ بنوری ناؤن کے فارغ

التحصیل ہیں۔ خوف میں حوزہ علمیہ احناف کے نام سے ایک دینی مدرسے کے مہتمم کی حیثیت سے امور دینیہ سرانجام

دے رہے ہیں۔ مولانا عبد الرحیم خوجہ اسماعیلی، جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل اور مدرسہ الامام ابوحنیفہ کاریز کے مدیر

ہیں۔ ان کے مدرسے میں پانچ چھ درجن طلباء دینی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ شیخ شرف الدین جانی

الاحمدی، خانقائے شیخ احمد جامؒ کے نگران و متولی اور اسی کے ساتھ ملحق مدرسہ احمدیہ کے مہتمم ہیں۔ جن کے ہاں حاضری کا

ذکر شہرت تبت جام کے ضمن میں تفصیلاً آچکا ہے۔ شیخ علی احمدی، تربت جام میں مدرسہ صدیقیہ چلا رہے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ

اربابی، مدرسہ اعظمیہ کے نام سے ادارہ تربت جام ہی میں چلا رہے ہیں۔ مولانا عبد الرحمان محبی، دارالعلوم زاہدان کے

فاضل و مدرس ہیں۔ مولانا عبد اللہ مؤحدی، خوف کے دارالعلوم احناف کے صدر المدرسین کے فرائض انجام دے

رہے ہیں۔ مولانا عبد الباقی حوزہ علمیہ خیر آباد میں تدریس کر رہے ہیں۔ مولانا حفیظ اللہ طاہری، مدرسہ تعلیم القرآن

نشتیفان میں بحیثیت مدرس دینی خدمت میں مصروف ہیں۔ مولانا عبد الواحد، انوار العلوم خیر آباد کے مدرس، مولانا

نور اللہ فرقانی، سربراہ دارالعلوم اسلامی خلیل آباد۔ مولانا محمد اسحاق مدنی، فارغ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ جو ایران میں

اہل سنت کے امور کے سرکاری مشیر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے جلسے میں پُر مغز اور مدلل تقریر بھی

کی۔ ڈاکٹر بی آزار شیرازی، شیعہ سکالر اور تقریب مذاہب اسلامی یونیورسٹی کے رئیس ہیں۔ ان دونوں بزرگوں سے

ہمارا دیرینہ تعارف ہے۔ اور وہ پاکستان آمد کے موقع پر دارالعلوم حقانیہ آچکے ہیں۔ جناب رضائی صاحب شیعہ سکالر

مدیر حوزہ علمیہ مشہد، انجینئر محمد رضا سجادیان، ڈاکٹر احمد خاص احمدی، یہ دونوں ایران کے پارلیمنٹ میں اہل سنت کے

نمائندے ہیں۔ ثانی الذکر نے جلسے میں تقریر بھی کی۔ مولانا عبد الجبار حقانی، فاضل حقانیہ مدرس دارالعلوم تعلیم القرآن

ختم بخاری شریف: پونے ایک بجے حضرت مولانا شیر علی شاہ دامت برکاتہم کو ختم بخاری شریف کے لئے اسٹیج پر بلایا گیا، حاضرین نے نعرے بگیر کے ساتھ ان کا والہانہ استقبال کیا۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی المسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ و بحمدہ سبحان العظیم۔ پڑھنے کے بعد تمام حاضرین نے اتباع کرتے ہوئے ان کلمات کو ترنم اور خوش الحانی سے پڑھا۔ شیخ صاحب کی ترجمانی کے لئے بھی اسٹیج پر ایک عالم دین آیا۔ لیکن انہوں نے خود فصیح فارسی میں درس دینا شروع کیا۔ جس کی بدولت ترجمان کی ضرورت پیش نہ آئی۔ موقع محل کے اعتبار سے ان کا درس مختصر علمی و تحقیقی تشریح اور عصر حاضر کے مسائل پر مبنی تھی۔ افسوس کہ قلمبند نہ ہو سکی۔ آخر میں جلسے کے انعقاد اور کامیابی پر منتظمین کو مبارکباد دی اور شکریہ ادا کیا۔

دستار بندی: دستار بندی جو اس جلسے کا اہم جز تھا۔ سوا ایک بجے شروع ہوئی۔ جلسہ الاحناف کے مہتمم اساتذہ کرام شیخین دامت برکاتہم مولانا صاحب حسین اور احقر کو اسٹیج پر رسم دستار بندی کی ادائیگی کے لئے بلایا گیا۔ اسٹیج سیکرٹری ہر ایک فارغ و فاضل کا نام بمعہ ولدیت و علاقہ و مختصر تعارف کروا کر بلاتا، فضلاء ترتیب سے آتے اور ان کے سروں پر عمامہ باندھ دیا جاتا اور پھر ہر ایک استاد اس کے سر پر تبرک کا ہاتھ پھیرتا۔ فضلاء کی پیشانیوں اور چہروں پر عجب نورانی کیفیت و خوشی عیاں تھی۔ مغرب و امریکہ کے لئے یہی فارغ التحصیل فضلاء و علماء ایٹم بم سے کم نہیں۔ تقریباً سو افراد کی دستار بندی عمل میں لائی گئی۔

مشہد کی طرف واپسی اور ایرانی سوغات کی خریداری: ادائیگی نماز سے فراغت پر ہم اپنی اقامت گاہ کی طرف لوٹے۔ جہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ تقریباً ڈھائی بجے ہم اپنا راجب سفر گاڑیوں میں رکھ کر مشہد کی طرف روانہ ہوئے۔ تائیباد اور مشہد کی طویل مسافت ہم نے نہایت سرعت رفتاری سے طے کی۔ پانچ بجے ہم مشہد پہنچے۔ مشہد میں ایک بڑے جنرل سنور پر ہماری گاڑیاں رکیں۔ جہاں ہم نے ایرانی سوغات کی خریداری کی۔ مولانا شیر علی شاہ صاحب اس سفر میں ایرانی زیتون کا بار بار تذکرہ فرماتے تھے۔ ہم نے کئی مقامات پر پوچھا لیکن کہیں بھی نہ مل سکا۔ اس سنور پر بھی معلوم کیا لیکن یہاں پر دستیاب نہ تھے۔ مولانا سیح الحق صاحب نے مزاحا مجھ سے کہا کہ اس سفر نامہ کا نام سفر نامہ زیتونیہ رکھ دو۔ یہاں مختلف قسم کی ایرانی ادویات کی خریداری مولانا شیر علی شاہ صاحب نے کی۔ انہوں نے کہا کہ ایرانی ادویات نہایت کارآمد اور خالص ہوتی ہیں۔ احقر نے یہاں مچھلی جو کہ شن پیک میں تھی زیتون ایک خاص قسم کی جنگلی گھاس اور مہندی کے عصر سے بنائے گئے شیمپوؤں، ایرانی کریم و سلیمین، ایرانی خشک میوہ پستہ، گز، خالص دودھ اور پستہ سے بنائی گئی ایرانی ٹائیوں کی خریداری کی۔ فراغت پر ہم ایئر پورٹ کی طرف نکل پڑے۔

ایران کی دو نمایاں خصوصیات: چلتے چلتے ایران کی دو خصوصیات جو میں نے دیکھیں وہ یہ ہیں کہ یہاں کے پریس

اور میڈیا میں فحاشی و عریانیّت اور مغربی تہذیب و تمدن کا وہ سیلاب جو ہمارے نوجوانوں کو تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہی ہے، نہیں ہے۔ دوسری بڑی بات یہاں پر عورتوں کا حجاب نظر آیا۔ آج کل تو بے حجابی اور بننا سنورنا ہی تہذیب کہلاتا ہے۔ لیکن یہاں ہر عورت بڑے برقعوں میں ملبوس نظر آئی۔ یہ علیحدہ بحث ہے کہ ایران میں چہروں کے پردے سے صرف نظر ہے۔ انکی نظر میں چہرہ کا ستر پردہ میں شامل نہیں ہے۔ حالانکہ چہرہ ہی سب سے بڑا فتنہ ہے۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا کہ ۔ دل کی نہیں تعمیر مکن آنکھ ہے ظالم وہ جا کے لڑائی تو یہ گرفتار نہ ہوتا بحرین روانگی: شام چھ بجے ہم ایئر پورٹ پہنچے۔ شیخین کو لاؤنچ میں بٹھا کر میں ان کی ٹکٹیں اور پاسپورٹ لے کر بورڈنگ کارڈ لینے گلف ایئر کے کاؤنٹر پر گیا۔ کاؤنٹر پر موجود آفیسر سے میں نے درخواست کی کہ میرے ساتھ بڑے علماء و سکالرز ہیں۔ ان کیلئے آگے کی اچھی سیٹیں دیں۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا کہ آپ کو پہلے سے ہمیں اطلاع دینی چاہیے تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ ہماری ساتھ ایرانی وزارت خارجہ کے افران کی ڈیوٹی تھی انہیں میں نے کل سے بتایا تھا کہ ایئر پورٹ حکام کو مطلع فرمائیے۔ افسوس کہ انہوں نے اپنے فرائض سے غفلت برتی۔ ہمیں G-F 321 پر 26-A-B-C-D کی نشستیں دی گئیں۔ اب ہم نے مولانا ابراہیم فاضلی اور انکے بیٹے اور دیگر میزبانوں سے رخصت لی۔ یہیں لاؤنچ میں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ تقریباً پونے سات بجے ہمیں جہاز پر لے جایا گیا، سات دس پر فلائٹ روانہ ہوئی۔ ڈھائی گھنٹے کے سفر کے بعد بحرین ایئر پورٹ پر مقامی وقت کے مطابق سوا دس بجے ہم اترے۔ بحرین ایئر پورٹ کے گراؤنڈ فلور پر اگلی فلائٹ کیلئے میں نے بورڈنگ پاس حاصل کئے اور پھر ہم اوپر لاؤنچ کی طرف گئے، تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ فلائٹ میں آدھ گھنٹہ کی تاخیر ہوگی۔ اس دوران ہم نے نماز عشاء سے فراغت پائی۔

اسلام آباد کی طرف: سوا گیارہ بجے ہمیں طیارہ پر لے جایا گیا۔ جہاز پر چڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ یہ گلف ایئر کا اپنا جہاز نہیں۔ شاید اسے کسی دوسرے ملک سے اجرت پر لیا گیا تھا۔ یہ جہاز بہت بڑا دیویدیکل تھا۔ اس کے ایک تہ میں بارہ افراد بیٹھ سکتے تھے۔ جب تمام مسافر جہاز پر چڑھ گئے تو پیچھے کچھ مسافروں نے شور و دوا بیل شروع کیا۔ کہ جہاز کی چھت سے پانی ٹپک رہا ہے۔ فلائٹ حکام نے اس کا نوٹس لیا لیکن ان کی کوششیں سودمند ثابت نہ ہوئیں۔ آخر چھت کے نیچے نشستوں کو خالی کیا گیا۔ فلائٹ تیار ہونے کے باوجود کافی دیر تک روانہ نہ ہوئی تو مسافروں نے بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے روانہ ہونے کی صدائیں شروع کیں۔ ساڑھے بارہ بجے جہاز روانہ ہوا۔

جہاز کی خرابی، بحرین واپسی اور گلف ایئر کا انسانی جانوں سے کھیلنا: گھنٹہ بھر سفر طے کرنے کے بعد جب جہاز کے اکثر مسافر نیند کی دنیا میں پہنچ چکے تھے میں نے دیکھا کہ فلائٹ کا عملہ کبھی آگے، کبھی پیچھے پریشانی کے عالم میں آ جا رہا ہے، اک بالکل سی ان میں جھج گئی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ لیکن انہوں نے جواب دینے سے اعراض کیا۔ آخر میرے اصرار پر فلائٹ اینڈینس نے بتایا کہ جہاز میں تھوڑی سی فنی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کی وائبریشن بھی بڑھ گئی۔ جس کی بدولت سب مسافر خواب سے بیدار ہو گئے۔ ہر ایک مسافر کے چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔ آخر فلائٹ حکام نے فیصلہ کیا کہ واپس بحرین کی طرف لوٹیں۔ میں نے فلائٹ حکام کے پاس جا کر بات کی کہ ایک گھنٹہ تک واپس سفر کرنا خطرناک ہے۔ مناسب یہی ہے کہ کہیں قریبی ایئر پورٹ پر جہاز کو اتاریں۔ لیکن انہوں نے مختلف حیلے بہانے کرتے ہوئے اسے ناممکن بتایا۔ میں نے ان پر زور دیا کہ بین الاقوامی قوانین کے مطابق ہنگامی لینڈنگ تو کہیں بھی کسی بھی ایئر پورٹ پر ہو سکتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اگر ہم کہیں اترے تو ان سیکٹروں مسافرین کو کبھی رکھیں گے۔ اب میں سمجھا کہ جہاز کے لینڈ کا مسئلہ نہ تھا بلکہ گلف ایئر کے مفادات کا مسئلہ تھا۔ کسی بھی ایئر پورٹ پر کران مسافروں کیلئے ہوٹل اور کھانے پینے کا بندوبست گلف ایئر کی جیب پر تھا۔ تمام مسافر گلف ایئر کے اس ناروا سلوک پر غضبناک و نالاں تھے۔ آخر خدا خدا کر کے ہم بحرین ایئر پورٹ پر واپس اترے۔ ایئر پورٹ پر اتر کر میں نے گلف ایئر کے فیلڈ سربراہ کے بارے میں پوچھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ان کا نام یوسف ہے اور وہ سامنے کا ونٹر پر کھڑا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے علیک سلیک کے بعد کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے سیکٹروں افراد کی جانوں سے کھیلایا ہے۔ جہاز پہلے سے خراب تھا تو اسے روانہ کیوں کیا گیا؟ بین الاقوامی قوانین کے تحت ہم آپ پر انسانی جانوں کے ساتھ کھیلنے کا مقدمہ کر سکتے ہیں۔ جہاز اگرچہ میں خراب ہوا تو پھر اسے قریبی ایئر پورٹ پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ تاکہ گلف ایئر کا خرچہ نہ ہو؟ اور انسانی جانیں اگر ضائع ہو جائیں تو کوئی بات نہیں؟ میرے ان سوالات اور جذبات کو دیکھ کر وہ دب سا گیا۔ اور گلف ایئر کی صفائی پیش کرنے لگا۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ آپ کو معذرت کرنی چاہیے بجائے اس کے آپ ان کے حق میں بول رہے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس جہاز پر پاکستان کے بڑے علماء و سرکار اور سیاسی شخصیات سوار تھیں۔ جن کے تعلقات عرب سربراہوں کے ساتھ ڈائریکٹ ہیں۔ میری اس گفتگو پر اب وہ نرم پڑ گیا اور مجھے بتایا کہ آپ اپنے پاسپورٹ دیجئے تاکہ ہم فوری طور پر آپ کی امیگریشن کر کے بحرین کے ہوٹل میں آرام کے لئے بھیجیں۔ حضرت مولانا شعیب علی شاہ صاحب نے اس موقع پر مسافروں کی طرف سے میری وکالت کی تحسین کرتے ہوئے مجھے داد دی اور فرمایا کہ جب ہم بھی جواں تھے تو اسی طرح کے مواقع پر آگے بڑھتے اور اظہار حق کرتے۔ جس کے بہترین نتائج نکلتے۔ اب وہ زور و قوت نہ رہی آپ جیسے نوجوانوں کو یہ رنگ بھی دکھانا چاہیے۔ میری گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے ہم تمام مسافرین کو ایئر پورٹ سے فوری طور پر نکالنے اور آرام کے لئے بحرین میں واقع فائو سنار ہوٹل بھیجے کا بندوبست کیا۔ رات کے ساڑھے تین بج رہے تھے جب ہم ایک ویگن میں بیٹھے بحرین کے دارالحکومت منامہ کے جدید ترقی یافتہ روشنیوں کے شہر میں داخل ہوئے۔ نئے طرز کے خوبصورت شہر کی منصوبہ بندی کمال ذہانت سے کی گئی۔ رات کے آخری پہر بھی اس شہر میں ٹریفک کی وہ افراط ہے کہ سڑک کا کوئی حصہ گاڑیوں سے خالی نظر نہیں آیا۔ بحرین کا صحرائی علاقہ کسی زمانہ میں

دیران اور غیر آباد بھی تھا۔ ایک دور اس پر گھاس پھوس سے بنے ہوئے مکانات کا گزرا لیکن اب قدیم آبادی اور جھوپڑیوں کا تصور محال ہے۔ اب اس کی جگہ فلک بوس درجنوں منزلہ عمارتوں نے لے لی۔ ہر عمارت کی ہیئت و شان اور جدت دوسرے سے نرالی ہے۔ یہ ریگستانی ریاست اور بدوؤں کی سرزمین آج جدید تعمیرات کے مقابلہ کی دوڑ میں لگی ہوئی ہے۔ رسول اقدس ﷺ نے علامات قیامت جو بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ کہ تم دیکھو گے کہ چرواہے و برہنہ و ننگے پیر والے (غریب و پالی اعتبار سے کمزور لوگ) تعمیرات کی مقابلہ بازی میں ایک دوسرے سے دوڑ میں لگے ہوں گے۔ بطور اتم یہاں صادق آتی ہے۔

بحرین کی تاریخ پر ایک نظر: آئیے بحرین کے بارے میں کچھ جانیں۔ خلیج فارس میں واقع یہ ریاست جو جزیرہ نمائے قطر اور سعودی عرب کے درمیان واقع ہے اس کا مجموعی رقبہ 620 مربع کلومیٹر ہے۔ زمانہ قبل اسلام اور ابتدائے اسلام میں اس کا اطلاق مشرقی عرب پر ہوتا تھا۔ آگے چل کر یہ نام محض اس مجمع الجزائر کیلئے مخصوص ہو گیا جو ساحل سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ سب سے بڑا جزیرہ جو کہ عربی کے قدیم ماخذ میں اَوّال یا اَوّال لکھا جاتا آج کل البحرین کہلاتا ہے۔ اس کا دار الحکومت 'المنامہ' جو شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے۔ جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ اس کے دوسرے جزیرے سترہ 'النبیہ صالح'، 'ام الصبان'، 'جدا'، 'ام نھسان' ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ ارضیاتی نقطہ نظر سے بحرین کی شکل لبوترے کوہانی قتبے کی جیسی ہے۔ تیل نکالنے کا کام یہاں بحرین پیٹرولیم کمپنی کے ہاتھ میں ہے جو کہ امریکی سرمایہ داروں کی ملکیت ہے۔ تیل سے قبل یہاں کی بڑی صنعت صدف گیری تھی۔ ساحل پر سینکڑوں کشتیاں کسی زمانے میں اس سلسلے میں مصروف رہتی تھیں۔ درآمد برآمد کو فروغ دینے کیلئے یہاں ایک آزاد بندرگاہ ۱۹۵۸ء سے کھولی گئی۔ یہاں کی آبادی میں ایرانی ہندوستانی، پاکستانی، نیز یورپین اور امریکی شامل ہیں۔ ۷۵ فیصد آبادی شیعوں پر مشتمل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہاں کی آبادی میں زیادہ تعداد بنو عدنان کے قبیلے عبد القیس کی تھی۔ اردشیر اول کے زمانہ سے البحرین میں ساسانیوں کے عمل دخل کا آغاز ہوا۔ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت العلاء بن الحضرمیؓ کو مشرق کی طرف مہم پر بھیجا تو یہاں ایک ایرانی مرزبان حاکم تھا۔ زمانہ ردة میں جب یہاں کے حکمران نے خلافت کی اطاعت سے سرتابی کی تو بنو عبد القیس کے بہت سے افراد حضرت جارد دہلی کی زیر قیادت اسلام پر ثابت قدم رہے۔ پہلی صدی ہجری میں یہاں خارجیوں نے خبّہ بن عامر اور ابو قحطیبہ کی زیر قیادت اپنے اقتدار کا ایک مرکز قائم کیا۔ دوسری صدی میں یہاں عباسی حکومت قائم ہوئی۔ قریب لفظ کو بھی بحرین کی بدوی اور شہری دونوں طرح کی آبادی میں تیز دخل گئے تھے۔ ۳۱۷ھ بمطابق ۹۳۰ء میں جرّ اسود مکہ معظمہ سے بحرین لایا گیا۔ یہاں وہ بیس سال تک پڑا رہا۔ ایک زمانہ کے بعد قریب لفظ پر زوال آیا اور انہیں شکست ہوئی۔ جزائر البحرین پر اوائل عہد ہی میں بنی عیون کی حکومت قائم ہو گئی۔ ۶۳۳ھ میں البحرین اور القطیف پر فارس کے سلفی اٹاک ابوبکر بن سعد کی فوج نے قبضہ کر لیا۔ بعد میں یہ ۶۵۱ھ

میں آزاد اور خود مختار بنا۔ ۷۳۰ھ کے قریب ہرمز کے حکمران جہم تم ثانی نے جزیرہ قیس اور بحرین دونوں کو اپنی مملکت میں شامل کیا۔ اس کے پندرہ سال بعد ہرمز کا فرمانروا توران شاہ خود بحرین آیا، موجودہ دارالحکومت المنامہ کا ذکر پہلی مرتبہ اسی زمانہ میں ملتا ہے۔ نویں صدی ہجری کے وسط میں عامر ربیعہ میں ایک نیا فرمانروا خاندان جبرہ پیدا ہوا۔ اجود بن زائل اس کا ممتاز ترین شیخ تھا۔ اس نے بحرین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اس کے دور حکومت میں بحرین کی شہرت مصر اور پرنگال جیسے دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی۔ 920ھ میں پرنگالی حکومت قائم ہوئی۔ گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں شاہ عباس اول کے عہد میں ایرانیوں نے بحرین کو اپنے تسلط میں لیا۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو سال تک قابض رہے۔ ۱۱۵۷ھ میں احمد بن خلیفہ جو کہ بنو عتبہ یعنی ان عربوں میں سے تھا جو ترک وطن کر کے پہلے نجد سے کویت اور پھر قطر نقل مکانی کر گئے تھے یہاں آیا اور اپنا تسلط قائم کر کے خاندان خلیفہ کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جو آج تک قائم ہے۔ بحرین کی آبادی ساڑھے چھ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔ موجودہ بحرین میں دنیا کی سب سے بڑی آئل ریفاٹری قائم ہے۔ سعودی عرب کا خام تیل بھی یہیں صاف کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ انگریز دور حکومت میں بحرین برطانیہ کے زیر اثر رہا۔ آج کل امریکہ کے زیر اثر ہے۔

بحرین میں اقامت: رات کے آخری پہر چار بجے ہم بحرین کے الائیٹ سوئس نامی ہوٹل پہنچے۔ ہوٹل کی آٹھویں منزل پر ہمیں دو کمرے دیئے گئے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد آرام کیلئے لیئے۔ دس بجے میں اور صاحب حسین ہوٹل سے باہر پیدل بحرین کا نظارہ دیکھنے کیلئے نکلے۔ دور دور ہر طرف بلند و بالا دیویمیکل قسمات عمارتوں کے مینار نظر آ رہے تھے۔ جدید طرز تعمیر کا جو کمال و مہارت بحرین میں ہم نے ملاحظہ کیا وہ بہت کم ترقی پذیر ممالک میں پایا جاتا ہے۔ وقت کی کمی کے باعث ہم بحرین کی تفصیلی سیر و سیاحت سے قاصر رہے۔ مولانا شیر علی شاہ نے فرمایا کہ قیاس بھی کوئی چیز ہوتی ہے اسی سے کام لیا کرو۔ رع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ساڑھے دس بجے ہم نے ناشتہ وغیرہ سے فراغت پائی۔ سوا گیارہ بجے اسی ہوٹل کی وین ہمیں ایئر پورٹ لے جانے کیلئے پہنچی۔ اور اس طرح ہم دوبارہ منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ دن کی روشنی میں بحرین کا بیشتر علاقہ نظروں سے گاڑی میں گزرتے ہوئے دیکھا۔ بازار وغیرہ تاحال بند تھے۔ پونے بارہ بجے ہم ایئر پورٹ پہنچے۔ ہماری اسلام آباد کی فلائٹ یہاں سے ایک بجے تھی۔ خراب ہونے والے جہاز اور موجودہ جہاز کے درمیان سولہ گھنٹے کی تاخیر رہی۔ بحرین کے مقامی وقت کے مطابق ایک بج کر دس منٹ پر طیارہ روانہ ہوا۔ اسلام آباد ایئر پورٹ پر پونے چھ بجے لینڈ کیا۔ اس طرح ہم اس طویل صبر آزما اور کٹھن سفر سے بخیر و عافیت وطن واپس پہنچ گئے۔ والحمد للہ علی ذلک۔ اس سفر نامہ میں گزشتہ سفر ایران کا جابجا تذکرہ قارئین نے پڑھا ہوگا۔ سفر ایران کی مناسبت سے اس سفر کے تفصیلی حالات جسے پیش کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ آئندہ کی اقساط میں ان شاء اللہ تذکرہ قارئین ہوگا۔